محمد حفیظ خان کا اہم نسائی کردار ''ماہین'': ایک جائزہ
Mohammad Hafeez Khan's Protagonist “Maheen”: A Review

سحرش غفور [i] ڈاکٹر شگفتہ حسین [ii]

Abstract:

Muhammad Hafeez Khan is a well-known modern novelist, researcher, columnist, playwright, historian and translator. He is a versatile personality. Every novelist has a goal and a vision for life. He tries to present the conditions of his era, his environmental experiences and his outlook on life through his art. Mohammad Hafeez Khan has presented the exploitation and helplessness of the feminine class in some aspect in his novels. His female characters are more lively than the male characters. The writer has not only felt the existence of a breathing woman in his society but has also acknowledged her existence. Through the character of "Maheen" in his novel "Karaknath", the author has not only informed about the negative consequences of social media and internet, but also exposed the heinous actions of the police, the increasing brutality and the dark deeds of the elite.

Keywords: *Muhammad Hafeez Khan, All-round Personality, Reflection of Life, Mahin, Helplessness of Women, Elites, Tactics of Society.*

محمد حفیظ خان دورِ جدید کے معروف ناول نگار ، محقق ، کالم نگار ، ڈرامہ نویس ، تاریخ دان اور مترجم ہیں۔ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ ہر ناول نگار کا زندگی سے متعلق ایک مقصد اور نظریہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے عہد کے حالات اپنے ماحول تجربات اور زندگی کے نقطہ نظر کو اپنے فن سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ محمد حفیظ خان نے نسوانی طبقے کے استحصال اور بے بسی کو کسی نہ کسی پہلو سے ناولوں میں پیش کیا ہے۔ مردانہ کرداروں کی نسبت ان کے نسائی کردار جاندار ہیں۔ مصنف نے اپنے معاشرے میں سانس لیتی عورت کے وجود کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اس کے وجود کو بھی تسلیم کیا ہے۔ مصنف نے اپنے ناول "کرک ناتھ" میں "ماہین" کے کردار کے ذریعے نہ صرف سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کے منفی نتائج سے آگاہ کیا بلکہ پولیس کے گھناؤنے افعال ، بڑھتے ہوئے ظلم اور اشرافیہ کے سیاہ کرتوتوں کو بے نقاب کیا ہے۔

کلیدی الفاظ: محمد حفیظ خان ، ہمہ جہت شخصیت ، زندگی کا عکاس ، ماہین ، خواتین کی بے بسی ، اشرافیہ ، سماج کے ہتھکنڈے۔

محمد حفیظ خان ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ وہ بیک وقت ناول نگار، افسانہ نگار، ڈرامہ نگار، کالم نویس، صحافی، محقق، مترجم اور نقاد ہیں۔ وہ ریڈیو پاکستان بہاول پور سے بھی وابستہ رہے اور ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے فرائض بھی سر انجام دیے۔ عبید اللہ عابد، محمد حفیظ خان کے متعلق لکھتے ہیں:

> محمد حفیظ خان محقق، مؤرخ اور نقاد ہیں۔ ناول نگار، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار ہیں۔ مختلف قومی اخبارات میں کالم بھی لکھتے رہے اور باقاعدہ صحافت بھی کی۔ بنیادی طور پر وکیل تھے، پھر ریڈیو پاکستان سے بطور پروڈیوسر منسلک ہوئے۔ ساتھ ہی مختلف تعلیمی اداروں

i ایم فل سکالر (اردو)، دی ویمن یونی ورسٹی ملتان (Corresponding Author)

ii پروفیسر ایمرطیس (اردو)، دی ویمن یونی ورسٹی ملتان۔

> میں قانون کی تعلیم دینے لگے۔ بعد ازاں وفاقی اور صوبائی سول سروس کا حصہ رہے۔ سول جج سے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج تک کے مناصب پر بھی فائض رہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی شخصیت کس قدر ہم جہت ہے۔[۱]

محمد حفیظ خان کو ادب سے گہرا لگاؤ ہے۔ وہ بے شمار تصانیف تخلیق کر چکے ہیں۔ انھیں کئی ایک ایوارڈ بھی ملے ہیں۔ ادھ ادھورے لوگ ان کا پہلا ناول ہے جس کو سرائیکی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع کیا ہے۔ یہ ان لوگوں کی کہانیاں ہے جو اپنی شناخت کی خاطر اِدھر اُدھر بھٹکتے ہیں اور ناآسودہ ادھوری خواہش کے ساتھ اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔ انواسی محمد حفیظ خان کا دوسرا ناول ہے۔ تاریخی تناظر میں لکھے گئے اس ناول میں مصنف نے مقامی لوگوں کی نفسیات کو پیش کیا جو زندہ لوگوں کی تو قدر نہیں کرتے لیکن قبرستان کی حرمت کے لیے اپنی جان بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ کرک ناتھ محمد حفیظ خان کا تیسرا ناول ہے۔ اس میں مصنف نے پورے معاشرے کو 'کرک ناتھ' کے طور پر علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔ اعلیٰ طبقے سے لے کر نچلے طبقے تک پورا معاشرہ برائی کی طرف گامزن ہے۔ منتارا محمد حفیظ خان کا سیاسی پس منظر میں لکھا گیا چوتھا ناول ہے۔ اس ناول میں مصنف نے افسر شاہی اور جاگیرداروں کے سفاکانہ رویوں کا پردہ چاک کیا ہے جو نہ صرف خود غرض اور مفاد پرست ہیں بلکہ نااہل بھی ہیں۔ حیدر گوٹھ کا بخشن میں انھوں نے عورت کی جنسی ضروریات اور مرد کی ناآسودگیوں کو موضوع بنایا ہے اور کالے دھندے میں ملوث لوگوں کو بے نقاب کیا ہے۔ قانون دان ہونے کی وجہ سے وہ سیاست اور کچہری سے بھی بخوبی واقف ہیں اور اپنے ناول میں عدلیہ کی بے بسی کی عکاسی خوبی سے کرتے ہیں۔ وجود محمد حفیظ خان کا چھٹا ناول ہے جو سرائیکی وسیب کا نوحہ ہے۔ یہ کہانی ہے غربت کی چکی میں پستے ہوئے لوگوں کی۔ یہ ناول تنگی اور افلاس کے ہاتھوں مجبور والدین کی داستان ہے جو وجود رکھتے ہوئے بھی بے وجود ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں ان کا نیا ناول ہر ایک جنم کی جانما بھی منظر عام پر آیا ہے۔

اچھا ناول نگار معاشرے کا عکاس ہونے کے ساتھ پلاٹ اور کردار نگاری کی طرف سے بھی مضبوط ہوتا ہے۔ محمد حفیظ خان کو کردار نگاری پر بھی مکمل عبور حاصل ہے۔ ناول نگار نے اپنے ارد گرد جو محسوس کیا اس کو انتہائی صداقت کے ساتھ صفحہ قرطاس پر اتارا۔ ان کے کردار زندگی کی رنگا رنگی، رویوں اور انسانی

نفسیات کو خوب سے پیش کرتے ہیں۔ خصوصاً ان کے نسائی کردار بہت مضبوط کردار ہیں جو حقیقی زندگی کے بہت قریب ہیں۔ ان کے ہاں نسوانی کرداروں کی پیشکش نہایت بھرپور اور جاندار ہے۔ وہ اپنے ناولوں میں نسائی کرداروں کے نفسیاتی مطالعے کو نمایاں حیثیت دیتے ہیں۔ ان کے تقریباً تمام ناولوں میں ایک یا دو نسوانی کردار ضرور نمایاں اور اہم ہوتے ہیں۔ چوں کہ محمد حفیظ خان کا تعلق جنوبی پنجاب سے ہے اس لیے ان کے ناولوں کے کردار بھی جنوبی پنجاب کی مٹی سے اٹھائے گئے ہیں۔ مصنف کی کامیابی کی دلیل یہ حقیقت ہے کہ سرائیکی وسیب سے ناآشنا قارئین کو بھی ان سے شناسائی کا دعویٰ ہونے لگتا ہے۔ مردانہ کرداروں کی نسبت ان کے نسائی کردار زیادہ مضبوط اور جاندار ہیں۔ ان کے ہاں نسوانی طبقے کے استحصال کو کسی نہ کسی پہلو سے نمایاں کرکے دکھایا گیا ہے۔ خواہ وہ انواسی کی ''سنگری'' ہو یا ادھ ادھورے لوگ کی ''مہراں'' اور ''تلسی''، وجود کے ''مراد کی ماں'' ہو یا منتارا کی نائلہ۔ یہ تمام عورتیں جنسی استحصال کے عذاب سے گزرتی ہیں لیکن زندہ رہتی ہیں اور المناک حالات کا جواں مردی سے مقابلہ کرتی ہیں۔ ان کے ناولوں کے کچھ نسائی کرداروں کی شخصیت میں رومانیت اور جذباتیت کا وجود ہے۔ کچھ کردار صبر واستقلال کا پیکر ہوتے ہیں جو ہر دکھ اور مصیبت کو برداشت کرتے ہیں جیسے وجود کی ''کندو''۔ کچھ کردار ایسے ہیں جو جنسی تسکین کی غرض سے اپنے ہر رشتے کو فراموش کر دیتے ہیں جیسے ادھ ادھورے لوگ کی ''رادھی''، کرک ناتھ کی ''شبیر کی ماں'' اور حیدر گوٹھ کا بخشن کی ''ناہید''۔ کچھ کردار ایسے ہیں جو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے کرک ناتھ کی ''زفیرہ احمد'' اور ''ماہین''!! ان کرداروں نے روایات سے تو بغاوت کی لیکن ان تمام کرداروں کا انجام المناک ہے اس لیے کہ کوئی بھی روایات سے بغاوت کرکے پرسکون اور مطمئن زندگی نہیں گزار سکتا۔ خورشید ربانی محمد حفیظ خان کے نسائی کرداروں کے متعلق لکھتے ہیں:

> ان کی تحریر میں پیش کیے گئے خواتین کے کردار اپنی تلاش اور شناخت کے لیے کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے جہاں بھی عورت کا کردار تراشا ہے اس میں زندگی کے سارے رنگ بھر دیے ہیں۔ زندگی سے لبریز کردار حفیظ خان کی انفرادیت بھی ہے اور زندگی سے پیار کرنے کا اعلامیہ بھی۔ حفیظ خان نے شر کے پردے میں خیر کا پیکر تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ برائی کا ذکر کرنے کا مقصد برائی سے نفرت کا اظہار ہے اور بھلائی کی طرف سمت نمائی بھی۔ عورت کی نفسیاتی گتھیاں سلجھانے کے عمل میں انھوں

نے کئی طرح کے کردار اپنی کہانیوں کا موضوع بنائے ہیں اور ہر کردار ایک نئی الجھن ایک نئی گتھی کے ساتھ سامنے آیا ہے۔[۲]

حفیظ خان کے ناول کرک ناتھ کا ایک اہم نسائی کردار "ماہین" ہے۔ ابتدا میں جس ماہین سے ہمارا تعارف ہوتا ہے وہ بنیادی طور پر کم ہمت اور شرمیلی لڑکی ہوتی ہے جو ہر وقت خود کو چادر سے ڈھانپ کر رکھتی ہے۔ وہ ایم فل کیمسٹری کی طالبہ ہے۔ یونی ورسٹی کے لڑکے جب اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں اور اس کے جسمانی خدوخال کے بارے میں بیہودہ الفاظ کہتے ہیں تو ماہین میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ ان کو کوئی جواب دے سکے یا اپنے جذبات کا اظہار کر سکے لیکن رات کو جب وہ اپنے بستر پر آتی ہے تو وہی بیہودہ الفاظ، مشاعرے میں پڑھے جانے والے اشعار اور ننگے جملے اس کے دل کو سکون دیتے ہیں لیکن اس کو کوئی منزل دکھائی نہیں دیتی اور وہ مایوس ہو جاتی ہے:

> صبح کو بیدار ہونا ماہین کے واسطے ہمیشہ تھانے کے حوالات میں پڑے کسی ایسے زیرِ تفتیش ملزم کے جسم کی طرح کا ہو چکا ہوتا ہے کہ جو شب بھر کی چھترول کے بعد دکھتا ہوا پھوڑا بن چکا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اونگھتے ذہن کے ساتھ پھر وہی کلاس اور کلاس میں آتے جاتے پھر وہیں بے ہودہ کلمات پھبتیاں اور مکروہ جملہ بازی۔[۳]

یہ المیہ ہے لیکن حقیقت ہے کہ سوشل میڈیا پر بہت سے ایسے مرد حضرات موجود ہیں جو اپنے خوب صورت اندازِ بیاں اور دل نشیں لفظوں کی بنا پر سامنے والوں کا دل جیتنے کا ہنر جانتے ہیں۔ معصوم اور سادہ لوح لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔ ایسا ہی ایک شخص نوید ہے جس کی چکنی چپڑی اور میٹھی باتوں میں آ کر ماہین اس کے چنگل میں پھنس جاتی ہے:

> وہ تو اتنی اوتاولی ہوئی کہ دو ایک روز ہی میں ان باکس سے فون کال پر آ گئی۔ کیا آواز تھی۔ شہد کی مٹھاس سے زیادہ میٹھا ایک بھرپور مردانہ لب و لہجہ کہ جس کا ایک ایک لفظ ماہین کے مسام مسام میں حشر برپا کرنے لگا۔ اس کی آواز اس کا جسمانی روپ دھار کر ماہین کو اپنے آپ سے یوں لپٹا لیتی کہ اسے بات کا جواب دینے تک کا ہوش بھی نہ رہتا۔[۴]

ماہین جدید ٹیکنالوجی کی چھاؤں میں پلنے والی اس نوجوان نسل سے تعلق رکھتی ہے جس نے گمراہی کی راہ پر چلتے ہوئے سکائیپ، لیپ ٹاپ، موبائل فون کا استعمال ہر اس برائی کے لیے جو اس کی پہنچ میں

تھی۔ مثلاً سکائپ پر خود کو برہنہ دکھانا اور خود لذتی کے عمل سے گزرنا اور فون پر اورل سیکس کے قبیح فعل کا ارتکاب کرنا:

> ان تمام باتوں نے کچھ ایسا سحر انگیز ماحول ترتیب دیا کہ اگلے چند دنوں میں وہ ٹیلیفونک سیکس سے ہوتے ہوئے سکائپ پر غیر ملبوس خود لذتی کے عمل تک پہنچنے میں بھی کسی ہچکچاہٹ کا شکار نہ رہے۔[۵]

سکائپ پر نیم برہنہ حالت میں جب وہ خود لذتی کے عمل سے گزر رہی ہوتی ہے تو نوید اس کی ویڈیو ریکارڈ کر لیتا ہے اور اس کو بلیک میل کر کے ملاقات کا کہتا ہے۔ جو چیزیں وقتی طور پر ماہین کے لیے تسکین کا باعث بنتی ہیں، اب وہی اس کے لیے وبال جان بنتی ہیں۔ کیوں کہ جس ماحول میں اس نے پرورش پائی ہے، وہاں تو عورت کے کردار کو چیک کرنے کے لیے شادی کی پہلی رات سفید چادر بچھائی جاتی ہے اور خون آلود نہ ہونے پر طلاق نامہ تیار ہو جاتا ہے:

> اس ویڈیو کلپ نے جہاں ماہین کے اعصاب کو کچل کر رکھ دیا، وہاں اس کی پوری شخصیت میں دراڑیں ڈال کر اس کی سوچ تک کو بھی منجمد کر دیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ نوید اس طرح اس کے اعتماد کو دھوکا دے سکتا ہے۔ اپنے کیے پر اب خود کو لعنت ملامت کرنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں تھا۔[۶]

ایک طرف تو ماہین نوید سے ملنے سے کتراتی ہے کہ کسی قسم کا الزام اس کو رسوا نہ کر دے تو دوسری طرف اس کو خوشی بھی ہوتی ہے کیوں کہ اس کا دل کسی سہارے کا متلاشی ہے۔ آخر کار انجام کی پروا کیے بغیر ماہین اس سے ملنے کا عزم کر بیٹھتی ہے:

> ارے بدھو! تم نے شاید سنا نہیں۔۔۔ میں کہہ رہی ہوں کہ آج یونیورسٹی جانے کی بجائے میں سیدھی تمھارے پاس آ جاؤں گی، نو بجے کے لگ بھگ اور دو بجے تک رہوں گی۔[۷]

عورت جب شباب کے عالم میں ہوتی ہے تو چاہنا اور چاہے جانا اس کی فطرت میں شامل ہوتا ہے خواہ وہ کھیل چند روز کا ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ اس وقت وہ اپنے انجام سے بے فکر ہوتی ہے۔ ماہین کی نوید سے یہ ملاقات اس کی بربادی کا سبب بنتی ہے۔ یہ ملاقات نہ صرف اس کی عزت کی دھجیاں اڑانے کا سبب بنتی ہے بلکہ اس کے جذبات اور نفسیات کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ ہوٹل میں نوید کی اچانک موت ہو جاتی ہے۔

طیفہ نامی ویٹر جب پیسہ وصول کرنے کی غرض سے کمرے میں داخل ہوتا ہے تو نوید کو مردہ حالت میں دیکھ کر اس کی موت کا ذمہ دار ماہین کو ٹھہراتا ہے اور اس کو بلیک میل کرکے جنسی تشدد کا نشانہ بناتا ہے۔ وہاں اس کے ہزار ہا منت کے باوجود اس کی ایک نہیں سنتا۔

ماہین معاشرے کے غلط چلن کا شکار ہو کر دربدر کی ٹھوکریں کھاتی ہے۔ جب پولیس والے اس کو نوید کے قتل کے جرم میں تھانے لے جاتے ہیں، ایس ایچ او رُستم ماہین کو جیل میں ڈالنے کی بجائے اپنے فارم ہاؤس پہ لے جاتا ہے۔ اپنی طاقت کا رعب جمانے کے لیے اس کو بہت مارتا ہے۔ اتنی اذیت سے گزرنے کے بعد وہ خوف زدہ نہیں ہوتی بلکہ اس کی ہمت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ماہین جانتی ہے کہ اب واپسی کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند ہوگئے ہیں۔ کیوں کہ وہ ایسے طبقے سے تعلق رکھتی ہے جہاں لوگ عزت کی خاطر اپنی اولاد کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔ ماہین جانتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لیے مر چکی ہے:

> جو تم نے کرنا ہے کرو ـــــ یوں مارو تو نہیں یہ کہہ کر ماہین نے یوں سرعت سے اپنا لباس اپنے بدن سے علیحدہ کیا کہ جیسے کوئی ناروا بوجھ ہو، کوئی ملامت ہو کسی گناہ کی، کوئی ملامت ہو کسی عذاب کی، کہ جس کے ہوتے ہوئے وہ یوں ہی تشدد کا شکار ہوتی رہے گی۔[۸]

وقت کے جبر نے اس کا دل اتنا پتھر بنا دیا کہ تمام تر خوف ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ حالات کا سامنا کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ رستم ایس ایچ او کے بعد عملے کے دوسرے افراد کانسٹیبل الیاس، رمضان کالا اور شادا آئس کے نشہ میں ٹن ہو کر یکے بعد دیگرے اس کو وحشیانہ جنسی تشدد کا نشانہ بناتے ہیں لیکن ماہین کو پھر بھی کسی بات کی پروا نہیں ہوتی:

> ماہین جسے ان حالات میں سب سے زیادہ مضطرب و نالاں ہونا چاہیے تھا، وہی سب سے زیادہ مطمئن سب سے بڑھ کر پرسکون نظر آ رہی ہے۔ اسے نہ تو یہ احساس کہ وہ کن حالات سے گزر رہی ہے اور نہ ہی اس ادراک کی کوئی صورت کہ اسے آنے والے دنوں میں کس قدر بدترین حالات سے واسطہ پڑنے والا ہے۔[۹]

ماہین ایک معصوم لڑکی ہے، جو معاشرتی رویوں کی ستائی ہوئی ہے۔ وحشیانہ جنسی تشدد کے بعد جب اس کی حالت بہت نازک ہوتی ہے تو کالا اس کو اپنے گھر لے جاتا ہے کیوں کہ ماہین پر قتل کا کیس ابھی درج نہیں ہوتا لیکن ماہین اس بات سے بے خبر ہوتی ہے۔ وہاں کلثوم نامی عورت پہلے سے موجود ہوتی ہے

جس کو کالا انہی حالات سے لے کر آتا ہے جس طرح ماہین کو لے کر آیا۔ کالا روز ماہین کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی جسمانی طلب بن جاتا ہے:

> کلثوم کے نزدیک ماہین زیادہ سے زیادہ ان سیکڑوں لڑکیوں کے ہجوم میں محض ایک اور لڑکی کا اضافہ تھی کہ جو کالے کی حیوانیت کے جال میں پھنس کر کسی بے بس مکڑی کی طرح تڑپ رہی تھی مگر باہر نکلنے کا راستہ پھر بھی نہیں چاہتی تھی۔"[۱۰]

جنسی آسودگی اور جذباتی اور جسمانی لذت اب ماہین کی ضرورت بن گئی۔ جس شخص نے اس کے باکرہ پن کی دھجیاں اڑائی تھیں، وہ شخص اس کے حواس پر چھا جاتا ہے۔ تب اس کو احساس ہوتا ہے کہ اس کی شہوانی خواہشات کی تکمیل کسی عام مرد کے بس کا روگ نہیں، اس کے لیے کالا سپاہی اور طیفہ ہی اس کی توقعات پر پورا اتر سکتا ہے۔ ماہین ایسی نفیس اور مہذب لڑکی کو طیفے کے مُنھ سے اپنے لیے گشتی جیسی گالیاں بھی بہت میٹھی لگتی ہیں:

> اسے یاد تھا تو بس وہی میلا بدن وہی پسینے کی بو، وہی اکڑا لہجہ، وہی گالیاں دیتی زبان اور وہی سانڈ ایسا کسرتی بدن جو پھر کہیں سے اس کی شب کی خلوتوں کا دخیل ہو۔ کیسی کایا کلپ تھی کہ ماہین ایسی نفیس اور مہذب لڑکی کو طیفے کھوتے کے منہ سے اپنے لیے گشتی اور حرام زادی ایسا تخاطب بھی بھلا لگنے لگا تھا۔"[۱۱]

زندگی گزارنے کے لیے ماہین کے پاس عمر تو ہے لیکن نہ جینے کا کوئی مقصد اور نہ ہی کوئی ڈھب۔ کالے کی گرفتاری کے بعد کلثوم نے اپنے ٹھکانے کو کوٹھے کی شکل دی، جہاں گاہکوں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ماحول اور معاشرے کا جبر و خوف ماہین کو جہنم میں دھکیل دیتا ہے، جہاں واپسی کے راستے اس کو بند ملتے ہیں۔ حالات نے ماہین کو ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جہاں وہ عام عورت کم اور طوائف زیادہ لگتی ہے۔ وہ بہت بے بس ہو جاتی ہے۔ اس کو رہ رہ کر اپنی پہلے والی زندگی یاد آتی ہے جب وہ یونیورسٹی کی ذہین طالبہ تھی:

> چند دن پہلے وہ شہر کی ایک بڑی یونیورسٹی میں ایم فل کیمسٹری کی ذہین طالبہ تھی کہ جس کے چادر میں لپٹے ہوئے بدن کی ایک جھلک دیکھنے کے واسطے کتنے ہی وجیہ یونیورسٹی فیلوز چادر کا پلو پھسلنے کی تاک میں رہتے اور محض چند دن کے بعد اب یہ عالم ہے کہ طیفے اور

کالے جیسے جاہلوں کا پامال کیا ہوا وہی جسم ایک اور اجڑ اور گنوار کا التفات پانے کے لیے دیگر جاہل جسموں کے ساتھ قطار میں کھڑا ہوا ہے۔[۱۲]

ماہین اعلیٰ تعلیم یافتہ اور شریف گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود بھی اپنی حیثیت اور مقام کھو چکی ہے اور جس راستے پر معاشرہ اس کو لے گیا خود کو اسی رنگ میں لے لیا۔ بے حیائی کی دنیا میں جا کر اس کا فطری شرم و حیا بھی کہیں گم ہو جاتا ہے۔ کلثوم کے گھر میں جب ذیشان کسی لڑکی کو اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے کمرے میں لے جانے کی کوشش کرتا ہے، تو ماہین ذیشان کا بازو اس لڑکی کی کمر سے نکال کر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے ساتھ جانے کو کہتی ہے:

کس نے کہہ دیا کہ عورت کے چہرے پر تھپڑ مارنا مردانگی ہوتی ہے ــــ مردانگی بستر پر ثابت کرنا ہوتی ہے ــــ مرد ہو تو اس کو چھوڑو اور میرے ساتھ چلو ــــ یہ دس، بیس، پچاس والی گنتی نہ بھلا دوں، تو میرے منہ پر تھوک دینا۔[۱۳]

ماہین زندگی کا ہر فیصلہ خود کرتی ہے اور وہی کام کرتی ہے جس کو اپنے حق میں بہتر سمجھتی ہے، چاہے وہ کام غلط ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ناول معاشرے کے دوہرے معیار پر تنقید کرتا ہے جو عورت کے جسم سے تو غرض رکھتا ہے لیکن اس کو عزت نہیں دیتا۔ ماہین ذیشان کو شادی کا کہتی ہے اور اپنی میٹھی باتوں سے اس کا دل جیتنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ پڑھی لکھی ہے اور اس کا گھر آباد کر دے گی۔ ذیشان سے شادی کرنے کی وجہ بھی محض کلثوم کے کوٹھے سے نجات حاصل کرنا ہے۔ ذیشان کے الفاظ اس کے دل پر نشتر کی طرح لگتے ہیں جب وہ کہتا ہے کہ جتنی پڑھی لکھی ہے لیکن ہے تو "گشتی" نا، جو اَب بھی میٹرک پاس کے نیچے ہے۔ ماہین اس کا یہ رویہ دیکھ کے حیران رہ جاتی ہے:

طیفا کھوتا، الیاس، رمضان، کالا اور شادا ــــ وہ پانچوں اپنی فطری درندگی کے باوجود ماہین کو معصوم لگ رہے تھے جیسے تھے کم از کم دکھتے تو ویسے تھے نہ کہ ذیشان کی مانند جو نہیں تھا وہ دکھا اور جو تھا وہ دکھا ہی نہیں۔[۱۴]

ماہین ہر ممکن طریقے سے ناشائستہ اور دل خراش حادثوں کو بھُلانے کی کوشش کرتی ہے مگر حالات اس کے اختیار میں نہیں۔ جنسی تشدد کا نشانہ بننے کے بعد جب وہ ہسپتال داخل ہوتی ہے، ڈاکٹر جب اس کا نام دریافت کرتے ہیں تو ماہین چھت کی طرف بد ستور دیکھتی ہے جیسے اپنا نام تلاش کر رہی ہو۔ کافی دیر

سوچنے کے بعد وہ اپنا نام "عارفہ" بتاتی ہے کیوں کہ اس پر قتل کا الزام ہے اور پولیس اس کی تلاش میں ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اپنے اصل نام کے بجائے وہ "عارفہ" بتاتی ہے:

> عارفہ ــــ اس بار اس کی آواز اگرچہ مدھم تھی مگر ہونٹوں کی جنبش میں واضح قرار آ چکا تھا۔[۱۵]

محمد حفیظ خان نے اس کردار کے ذریعے اس حقیقت کا بھی واضح کیا ہے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے جب حالات کی ستائی ہوئی عورت کو یہ معاشرہ اور اس کا خاندان قبول کر لیتا ہے لیکن اس صورت میں بھی ان کی زندگی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی اور جس عورت کو سماج اور خاندان قبول نہیں کرتا، وہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ماہین اتنی مصیبتیں اور دکھ برداشت کرنے کے بعد اپنے گھر پہنچتی ہے اور شام ہوتے ہی اس کی ماں ہی اس کو احساس دلاتی ہے کہ اب اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ یہ لمحہ اس کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔ اپنی ماں کی بات سن کر وہ بہت غمزدہ ہوتی ہے:

> امی جب اپنا گھر مجھے پناہ نہیں دے سکتا تو کسی اور سے کیا توقع رکھنا۔۔۔ ویسے بھی بہت جگہ ہیں اس شہر میں چھپنے کے لیے۔۔۔ بس قیمت چکانی آنی چاہیے۔[۱۶]

ماہین ایک حقیقی اور جیتا جاگتا کردار ہے اور اُن ہزاروں لڑکیوں کی نمائندگی کرتا ہے جو وقت اور حالات سے تنگ آ کر غلط قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ماہین کے لیے معاشی حالات پر قابو پانا مشکل تھا۔ وہ ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز کام کرتی ہے۔ وہ محض کسی ایک کو اپنا آپ سونپ دینے کے قائل نہیں رہی۔ اپنے چاہنے والوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کی چاہت اس کے اندر روز بروز بڑھتی گئی:

> ٹیلی فونک تلذز کا بھوت سوار ہوا تو کئی مہم جو اس کے دائرہ شکار میں آتے چلے گئے۔ اب اس نے موبائل فون، بیلنس اور ایزی پیسا کے ذریعے چھوٹی چھوٹی رقوم بٹورنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ بے ضرر دکھنے والے چنیدہ لوگوں سے میل ملاقات میں موبائل فون اور دوسری اشیائے ضرورت کا تقاضا کرنا بھی سیکھ لیا۔[۱۷]

ماہین کو اپنی زندگی میں جتنے مسائل درپیش آئے ہیں، وہ ان کو خاطر میں نہیں لاتی۔ بہت کم دنوں میں وہ کتنے ٹھکانے بدلتی اور کتنے ہی مرد بدلنے کو بھی معیوب نہیں سمجھتی۔ یہ بات بھی اس کو عام

محسوس ہوتی ہے۔ سردار محبوب بخش جو نام بدل کر شکار کھیلتا ہے، وہ ماہین کی زندگی میں نیرّ جمیل اور زفیرہ احمد کی زندگی میں مبشر رضا بن کر آتا ہے اور ان کی بربادی کا سبب بنتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر عورت اس کی مکمل دسترس میں ہو اور سانس بھی اس کی مرضی سے لے۔ اس کی جنسی شدت سے لبریز گفتگو ماہین کو نیرّ جمیل کا گرویدہ بنا دیتی ہے:

> جونہی وہ فون پر آتا، ماہین کے جسم کے مسام مسام میں اس طرح کی آگ بھڑکاتا چلا جاتا ہے۔ اس آگ کو الاؤ بنانا جہاں اس کے لیے ستار کے تار کو انگلیوں سے چھیڑ دینے کے مترادف تھا، وہاں اسی الاؤ کو پھر سے تسکین و طمانیت کی جھیل میں بدل دینا بھی محض الفاظ کی ترتیب کو سروں کی ترتیب سے بدل دینے سے عبارت تھا۔[۱۸]

ماہین ایک ایسی نوجوان تنہا لڑکی ہے جس کے لیے زندگی کا دامن تنگ ہو جاتا ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہر رات کے بعد صبح ضرور ہوتی ہے۔ زفیرہ احمد ایک نئی امید بن کر اس کی زندگی میں آتی ہے۔ اس کی دکھ بھری داستان سن کر زفیرہ کو بہت افسوس ہوتا ہے کہ کس طرح ایک چھوٹی سی غلطی ماہین کے لیے مقامِ عبرت بن گئی۔ وہ ماہین کو اپنے گھر میں پناہ دیتی ہے۔ جس قتل کا الزام ماہین اپنے سر پر لیے در بدر کی ٹھوکریں کھاتی ہے، زفیرہ احمد نہ صرف اس اذیت سے اس کو چھٹکارا دیتی ہے بلکہ اس کو ایک نئے نام نیلاب سے جینے کی امنگ دیتی ہے۔ اس کو ایڈورٹائزنگ کمپنی میں سپر ماڈل بناتی ہے اور اس کی تمام تر ضروریات اور خواہشات کو بھی پورا کرتی ہے:

> اس روز کے تمام اخبارات، رسائل اور ٹی وی چینلز کی اسکرینز پر صرف ایک چہرہ جگمگا رہا تھا—نیلاب کا چہرہ۔[۱۹]

ماہین کے کردار کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو کجی کا احساس ہوتا ہے اور اس کے کردار کی یہ کجی اس لمحے بھی حیران کرتی ہے جب پہلی مرتبہ طیفا اس کی عزت کو تار تار کرتا ہے تو وہ اس صدمے سے نہ تو نڈھال ہوتی ہے نہ مستقبل کے وسوسے اس سے دامن گیر ہوتے ہیں، وہ بہت جلد اس وقتی بے چینی سے چھٹکارا پا لیتی ہے۔ خود مصنف کو بھی اس کردار سے ایسی دلچسپی نہیں کہ اسے مظلوم بنا کر لوگوں کی ہمدردی سمیٹی جائے۔ یوں لگتا ہے کہ ماہین کے ذریعے وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عورت اس لمحے بھی پورا مرد مانگتی ہے جب اس پر جنسی جبر کیا جا رہا ہو:

طیفے کی یہ مہم جوئی اگرچہ آغاز میں انتہائی ناپسندیدہ، اذیت ناک اور قابلِ نفرت رہی مگر آخری مراحل تک آتے آتے کچھ ایسی بھی خلافِ منشا نہیں رہی تھی۔۔۔ کیا کوئی ایسا مرد جو کسی عورت کی خلوت میں اگرچہ جبراً در اندازی کا مرتکب ہوا ہو مگر اسے تلذذ کی ہر ممکن معراج تک پہنچانے کا اہل پایا گیا، اس مرد سے بہتر نہیں کہ رجوع تو عورت کی منشا سے کرے مگر اس سارے عمل کو اپنے کم ہمتی اور نااہلی سے مکدر بنا کر رکھ دے۔[۲۰]

ماہین کے کردار کو جنس زدہ دکھائے جانے کے سبب اس سے ہمدردی نہیں ہوتی کیوں کہ ایک طرف جہاں اس کا جنسی استحصال ہو رہا ہے، وہیں اس کے اپنے نفسیاتی تقاضے بھی تسکین پا رہے ہیں اور وہ ان تقاضوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر قطعی پشیمان بھی نہیں اور کسی طیفے، کسی کالے، کسی ذیشان کے ہاتھوں پامالی کو وہ اپنی نسوانیت کی توہین بھی نہیں سمجھتی۔ اس لیے احتجاج بھی نہیں کرتی ہے۔

محمد حفیظ خان نے ہمارے پولیس سسٹم اور مفاد پرست حکمرانوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اس ناول کے ذریعے ان استحصال زدہ عورتوں کے متعلق بیان کیا ہے جن کو معاشرہ برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا اور ان کو اپنی ایک غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اشرافیہ اپنے مقصد کی خاطر عورت کو بطور جنس استعمال کرتی ہے۔ اس کے نزدیک عورت کی کوئی عزت ہے اور نہ کوئی جذبات، وہ صرف مرد کی تسکین کے لیے بنی ہے۔

خورشید ربانی اپنی کتاب محمد حفیظ خان: شخصیت اور فن میں لکھتے ہیں:

اشرافیہ طاقت کے حصول مفادات کی حفاظت اور مضبوط سے مضبوط تر ہونے کی دوڑ میں عورت کو ایک چیز کے طور پر پیش کرتی ہے۔ عورت کو معاشرے کا جیتا جاگتا وجود ماننے سے انکار واضح ہوتا ہے کہ چودہ سو سال قبل کا سماجی ذہن آج کام کر رہا ہے کہ وہ بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفنا دیتا تھا اور آج کے دور میں وہی ذہن اسے پال پوس کر اس کی عزت، عصمت اور زندگی کی قیمت پر اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔[۲۱]

ناول میں ماہین کی شخصیت ایک ایسی عورت کی علامت بن جاتی ہے جسے سماجی روایات، استحصال، اور دوہرے معیار کے باعث نہ صرف اپنی اصل پہچان کھونی پڑتی ہے بلکہ وہ ایک نیا نام اور نئی شناخت اپنانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ آخرکار، زفیرہ احمد کی صورت میں ایک نئی امید اسے دوبارہ جینے کی ہمت دیتی ہے اور ماہین

اپنی نئی زندگی بطور سپر ماڈل نیلاب کے نام سے شروع کرتی ہے۔ یہ کہانی معاشرتی رویوں اور عورتوں کے استحصال پر تنقید کرتی ہے، جو جسم سے غرض رکھتے ہیں لیکن انھیں عزت دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ ماہین کے کردار کے ذریعے مصنف نے دکھایا ہے کہ ایک عورت کے لیے غلط قدم اٹھانے کے بعد واپسی کے راستے بند ہو جاتے ہیں، اور ایسے ماحول میں وہ اپنے مقام اور وقار کو مکمل طور پر کھو بیٹھتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبیداللہ عابد، ”حیدر گوٹھ کا بخشن (اردو ناول)“، مشمولہ: www.badbaan.com، ۲/اکتوبر ۲۰۲۴ء۔
۲۔ خورشید ربانی، محمد حفیظ خان: شخصیت اور فن (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۲۱ء)، ۶۲۔
۳۔ محمد حفیظ خان، کرک ناتھ (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۰ء)، ۶۲۔
۴۔ ایضاً، ۶۷۔
۵۔ ایضاً۔
۶۔ ایضاً، ۶۹۔
۷۔ ایضاً، ۹۳۔
۸۔ ایضاً، ۱۴۸۔
۹۔ ایضاً، ۱۷۵۔
۱۰۔ ایضاً، ۲۱۳۔
۱۱۔ ایضاً، ۲۱۴۔
۱۲۔ ایضاً، ۲۳۴۔
۱۳۔ ایضاً، ۲۳۹۔
۱۴۔ ایضاً، ۲۵۰۔
۱۵۔ ایضاً، ۴۰۔
۱۶۔ ایضاً، ۲۷۱۔
۱۷۔ ایضاً، ۲۷۳۔
۱۸۔ ایضاً، ۲۷۴۔
۱۹۔ ایضاً، ۳۵۹۔
۲۰۔ ایضاً، ۱۲۳۔
۲۱۔ خورشید ربانی، محمد حفیظ خان: شخصیت اور فن، ص ۵۲-۵۳۔